12

ملک میں قیامِ امن کے متعلق ضروری ہدایات
صداقتِ احمدیت سے متعلق ایک تازہ عظیم الشان نشان

(فرمودہ 31 مئی 1940ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"میں آج جماعت کو ملک کے امن کے متعلق بعض ہدایات دینی چاہتا ہوں۔ یہ زمانہ اشاعت کا زمانہ ہے اور اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بعض اولیاء کی خبروں میں آتا ہے کہ آپ سلطان القلم ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں جیسا کام قلم سے نکلتا ہے یا زبان سے نکلتا ہے کہ وہ بھی ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ قلم کی طرح وسیع ہو گئی ہے ویسا کام تلوار سے نہیں نکلتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مُنہ سے میں نے ایک واقعہ کئی دفعہ سنا ہے وہ ایک کہانی ہے لیکن اس زمانے میں اس کی تصدیق ایسے رنگ میں ہوئی ہے کہ اس کی بہترین مثالیں اس زمانے میں ملنے لگ گئی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ رستم مشہور پہلوان گزرا ہے ایک دفعہ اس کے گھر میں رات کے وقت چور آ گیا اور اتفاقاً رستم کی آنکھ بھی کھل گئی اور اس نے چور کو پکڑ لیا اور دونوں میں کشتی شروع ہو گئی وہ چور رستم سے بھی زیادہ طاقتور تھا اس نے رستم کو گرا لیا اور اس کی چھاتی پر چڑھ کر خنجر نکال لیا تا کہ اسے قتل کر دے۔ جب رستم

نے دیکھا کہ اس کی طاقت اور اس کا زور اس کے کسی کام نہیں آیا اور اس کی جان خطرے میں گھری ہوئی ہے تو اُس نے اُس وقت جب اس کی طاقت اسے جواب دے چکی تھی اپنے رعب سے کام لینا چاہا اور جونہی چور نے خنجر نکال کر اسے مارنا چاہا۔ اس نے کہا "آگیا رستم"، "آگیا رستم" وہ چور جس نے رستم کو گرایا ہؤا تھا "آگیا رستم" کے الفاظ سن کر اسے چھوڑ کر دوڑ پڑا کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ جس شخص کو اس نے نیچے گرایا ہؤا ہے وہ رستم کا کوئی نوکر ہے ورنہ اگر اسے ابتداء میں ہی معلوم ہوتا کہ میرا مدّ مقابل رستم ہے تو شاید وہ اس کا مقابلہ ہی نہ کرتا۔ گویا رستم کا نام رستم سے زیادہ پُر رعب تھا۔

تو رعب انسانوں کو ناکارہ کر دیتا ہے اور مایوسی سے زیادہ کسی قوم کو تباہ کرنے والی اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے میں نے اپنی خلافت کے ایام میں ہمیشہ جماعت کو بُری خبریں پھیلانے اور قوم کے اندر مایوسی اور بددلی پیدا کرنے والی باتوں سے روکا ہے اور مَیں نے ہمیشہ کہا ہے کہ ایسی باتیں قوم کو تباہ کرنے والی ہوتی ہیں اور میرے مخالف لوگ میرے خلاف جو الزامات لگاتے رہے ہیں ان میں سے ایک الزام مجھ پر یہ بھی لگایا جاتا رہا ہے کہ میں لوگوں کی حُریتِ ضمیر کو سلب کرتا ہوں۔ کچھ سادہ لوح بے شک ان کی باتوں میں آئے ہوں گے اور انہوں نے سمجھا ہو گا کہ واقع میں یہ حریتِ ضمیر کو سلب کرتا ہے مگر میں سمجھتا ہوں ان کے یہ الزمات اللہ تعالیٰ کے حضور میرے نیک کاموں میں شمار ہوں گے کیونکہ جو کام میں نے کیا وہ جماعت کی ترقی اور اس کی بہبودی کے لئے ضروری تھا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو لوگوں کا جماعت کو تباہ کر دینا بالکل آسان ہوتا۔ چھوٹی جماعتوں کا تو کیا بڑی بڑی جماعتیں ان غلطیوں سے برباد ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَنْ قَالَ هَلَكَ الْقَوْمُ فَهُوَ اَهْلَكَهُمْ۔ [1] کہ جو شخص یہ کہے کہ قوم ہلاک ہو گئی وہ خود اس قوم کو ہلاک کرنے والا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب بھی کسی جماعت کے متعلق کہا جائے کہ وہ مر گئی مر گئی تو وہ مرنے لگ جاتی ہے اور جب کسی قوم کو بہادر بنانا ضروری ہو اور اسے کہا جائے کہ وہ خوب ترقی کر رہی ہے اور گو اس قوم کے بعض افراد پہلے سست ہی ہوں اس کے نتیجہ میں اس کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں اور وہ ترقی کی طرف اپنا قدم بڑھانا شروع کر دیتے ہیں۔

ترقی کی اور بھی تدبیریں ہیں جیسے اخلاقِ فاضلہ ہیں یا ایمان کامل کا حصول ہے۔ یہ چیزیں بھی قوم کی ہمت کو بڑھاتی ہیں مگر جب کوئی قوم پھیلتی ہے تو اس کے سارے افراد ایک جیسا ایمان نہیں رکھتے۔ کچھ زیادہ ایمان والے ہوتے ہیں جو ہر وقت ایمان کی چار دیواری میں محفوظ ہوتے ہیں ان کو خواہ کوئی کتنا ہی کہے کہ جماعت ہلاک ہو گئی ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ان کے حوصلوں میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے مگر ہر جماعت میں کچھ کمزور لوگ بھی ہوتے ہیں وہ جب سنتے ہیں کہ جماعت مر گئی تو وہ خود بھی مرنے لگ جاتے ہیں۔ اور بعض حالات میں اس کے مخالف نظریہ بھی درست ہوتا ہے۔

ایک دفعہ قادیان میں مولوی عبد اللہ صاحب تیماپوری مدعی نبوت آئے اور انہوں نے مسجد میں ہی ڈیرہ لگا دیا اور زور شور سے لوگوں کو تبلیغ کرنی شروع کر دی۔ ہمارے ایک دوست جوش میں آ گئے اور انہوں نے پہلے تو ان سے بحث کی مگر آخر کہا کہ آؤ مجھ سے مباہلہ کر لو۔ چنانچہ انہوں نے مباہلہ کر لیا مگر وہ دوست دل کے کمزور تھے اِدھر انہوں نے مباہلہ کیا اور اُدھر ان کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ خبر نہیں اب کیا ہو جائے گا۔ میں خود تو اس وقت موجود نہیں تھا مگر حضرت خلیفۂ اول نے مجھے سنایا کہ فلاں شخص میرے پاس آیا اور وہ بڑا گھبرایا ہؤا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ تم ضرور مر جاؤ گے۔ جب تم مباہلہ کے بعد اتنے ڈر رہے ہو تو تمہاری تو اس ڈر سے ہی موت واقع ہو جائے گی تمہیں مباہلہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مباہلہ تو اس شخص کو کرنا چاہئیے جس کا قلب مضبوط ہو۔ تو بسا اوقات انسان اپنے خیال ہی کے اثر سے تباہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے پرانے اطبّاء لکھتے ہیں کسی شخص کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ وہ نمک کا بن گیا ہے۔ ایک دفعہ وہ پانی میں داخل ہؤا تو پگھل گیا۔ کسی انسان کا پانی میں داخل ہو کر پگھل جانا تو ایک خلافِ عقل بات ہے مگر معلوم ہوتا ہے انہوں نے تمثیلی زبان میں واقعہ بیان کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس خیال سے کہ وہ پگھلا جا رہا ہے اس کی جان نکل گئی۔ یہ بالکل قرینِ قیاس ہے کہ جسے یہ وہم ہو جائے کہ وہ نمک کا بن گیا ہے وہ اگر پانی میں داخل ہو گا تو اس کا دل بیٹھ جائے گا اور وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔

موجودہ جنگ میں اسی پروپیگنڈا یا قوتِ واہمہ کو انگیخت کرنے سے کام لیا جا رہا ہے اور

جرمن اس ہتھیار کو خاص طور پر استعمال کر رہے ہیں اور خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ان کو ایسا موقع بھی میسر آگیا ہے کہ ان کی باتیں دلوں پر زیادہ اثر کرنے لگ گئی ہیں۔ پہلے انہوں نے پولینڈ پر حملہ کیا جہاں انگریز پہنچ نہیں سکتے تھے اور اس ملک کو انہوں نے تہہ تیغ کر کے فتح کر لیا۔ پھر انہوں نے ڈنمارک پر حملہ کیا اور اسے راتوں رات لے گئے۔ کہتے ہیں کیا پدّی اور کیا پدی کا شوربہ۔ ڈنمارک کی فوج صرف چند ہزار تھی اور جرمنی کی اسّی لاکھ ہے۔ چنانچہ ڈنمارک کے بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ چُپ کر کے گھر میں بیٹھ رہو اور جرمنوں کا مقابلہ نہ کرو۔ چنانچہ ڈنمارک بھی گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ناروے پر حملہ کیا اور وہاں بھی انہیں بہت حد تک کامیابی ہوئی۔ پھر ہالینڈ پر حملہ کیا اور اسے بھی جیت لیا۔ پھر جرمنی نے بیلجیئم پر حملہ کر دیا اور یہاں اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت اتحادیوں سے ایک ایسی غلطی ہوگئی جس کا وہ اب تک خمیازہ بھگت رہے ہیں مگر بہرحال بیلجیئم کو بھی جرمنی نے فتح کر لیا۔ وہ غلطی جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان سے اپنی طاقت کے خیال کی وجہ سے ہوئی۔ فرانسیسی کمان یہ یقین رکھتی تھی کہ اس کے پاس اتنے سامان ہیں کہ وہ جب بھی چاہے گی ان سامانوں کو استعمال کر کے جرمنوں کو آگے بڑھنے سے روک دے گی۔ مگر یہ بات غلط ثابت ہوئی کیونکہ جہاں ان کے پاس سامان زیادہ تھا وہاں انہوں نے اس سامان کو پورے طور پر استعمال نہیں کیا تھا اور جرمنی کے پاس گو سامان کم تھا مگر جو کچھ بھی تھا وہ سب کا سب اپنے استعمال میں لا رہا تھا۔ مثلاً جرمنی کے پاس لوہا کم تھا اس کمی کو پورا کرنے کے لئے جرمنی میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ ہر جرمن کا یہ فرض ہے کہ وہ ہٹلر کو سالگرہ کا تحفہ پیش کرے اور تحفہ یہ ہو کہ اس کے گھر میں جو لوہے کی چیز ہو وہ قوم کے لئے دے دے۔ اگر کسی کے گھر زنجیر پڑی ہو تو وہ زنجیر لے آئے، لوہے کا کوئی کنڈا بے کار پڑا ہو تو وہی لے آئے، برتن ہیں تو وہی لے آئے، انگیٹھیاں ہیں تو وہ پیش کر دے۔ غرض لوہے کی جو چیز بھی کسی کے پاس موجود ہو وہ ہٹلر کو ہدیۃً پیش کر دے۔ اب اتنے بڑے ملک میں جس کی آٹھ کروڑ کی آبادی ہو تم سمجھ سکتے ہو کہ لوگوں کے گھروں میں کتنا لوہا ہو گا۔ بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ ان ملکوں میں لوہے کا استعمال نسبتاً زیادہ کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ لوگوں نے اپنے دروازے توڑ دیئے، جنگلے توڑ دیئے، چھتیں توڑ دیں اور لوہے کے ڈھیر لگا دیئے۔ حکومت

نے اس تمام لوہے کو لیا اور اس سے ٹینک اور جہاز وغیرہ بنا لئے۔ اتحادیوں کے پاس لوہا زیادہ تھا مگر اس کی زیادتی ان کے کس کام آسکتی تھی جب تک وہ ٹینکوں اور ہوائی جہازوں وغیرہ میں تبدیل نہ ہو جاتا۔ اس غلطی کی وجہ سے انہیں یہ خیال رہا کہ ہم جرمنی کو آگے بڑھنے نہیں دیں گے مگر ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ اب اتحادی بیلجیئم اور ہالینڈ وغیرہ پر الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے ہٹلر پر کیوں اعتبار کیا اور کیوں یہ سمجھ لیا کہ وہ ان کی غیر جانبداری کا احترام کرے گا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ خود اتحادی بھی یہی خیال کرتے تھے کہ جرمنی بیلجیئم اور ہالینڈ کے راستہ سے حملہ آور نہیں ہو گا ورنہ انہیں چاہیئے تھا کہ ان کے سامنے بھی میجینو لائن بناتے مگر فرانس نے بیلجیئم کی حد تک میجینو لائن بنا کر اسے چھوڑ دیا اور یہ سمجھ لیا کہ ایک دفعہ تو جرمنی بیلجیئم کی راہ سے حملہ آور ہو چکا ہے مگر آئندہ اس راہ سے نہیں آئے گا۔ پس یہ خود بھی یہی سمجھتے تھے کہ جرمنی اس راستہ سے حملہ آور نہیں ہو گا ورنہ وہ علاقہ کیوں بالکل ننگا پڑا ہوا تھا اور اگر ان کے دل میں ذرہ بھر بھی شبہ ہوتا تو وہ ضرور اس کا کوئی نہ کوئی انتظام کرتے۔ جب جرمنی نے عملی طور پر اس راستہ سے حملہ کر دیا تو گو یہ اس حملہ کو روکنے کے لئے تیار نہ تھے ان کے پاس ابھی سامان بھی مکمل نہیں تھا لیکن تمام دنیا میں چونکہ یہ شور پڑا ہوا تھا کہ برطانیہ اور فرانس چھوٹی چھوٹی قوموں کو لڑائی کے لئے ابھار تو دیتے ہیں مگر خود ان کی کوئی مدد نہیں کرتے انہوں نے سمجھا اس وقت ہمیں فوری طور پر ہالینڈ اور بیلجیئم کی مدد کرنی چاہیئے اور اس اعتراض کو دور کرنا چاہیئے جو تمام دنیا میں ہم پر کیا جاتا ہے کہ ہم مدد کا وعدہ تو کر دیتے ہیں مگر عملی رنگ میں کوئی مدد نہیں کرتے حالانکہ اگر کبھی بدنامی سے بے پرواہ ہونے کا کوئی وقت ہو سکتا تھا تو یہی وقت تھا اور برطانیہ اور فرانس کا فرض تھا کہ وہ اس اعتراض کی ذرّہ بھر بھی پرواہ نہ کرتے اور اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلتے جب تک تیار نہ ہو جاتے مگر وہ اس وقت ایک رو میں بہہ گئے اور انہوں نے کہا لوگ ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ ایبے سینیا پر حملہ ہؤا مگر تم نے کوئی مدد نہ کی، البانیہ پر حملہ ہؤا مگر تم نے کوئی مدد نہ کی، آسٹریا پر حملہ ہؤا مگر تم نے کوئی مدد نہ کی، فن لینڈ پر حملہ ہؤا مگر تم نے کوئی مدد نہ کی، چیکوسلواکیا پر حملہ ہوا مگر تم نے کوئی مدد نہ کی، پولینڈ پر حملہ ہؤا مگر تم نے کوئی مدد نہ کی، ڈنمارک پر حملہ ہؤا مگر تم نے

کوئی مدد نہ کی۔ گویا ابیسینیا، البانیہ آسٹریا، فن لینڈ، چیکو سلواکیا، پولینڈ اور ڈنمارک کی سات مثالیں ان کے سامنے موجود تھیں اور لوگوں کے یہ اعتراضات بھی ان کے سامنے تھے کہ ان تمام ممالک پر حملے ہوئے مگر اتحادیوں نے ان کی کوئی مدد نہ کی۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ جب ناروے، ہالینڈ اور بیلجیئم پر حملہ ہؤا تو انہوں نے سمجھا اگر اب بھی ہماری فوجیں ان کی مدد کو نہ پہنچیں تو یہ اعتراض اور بھی پختہ ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اس اعتراض سے گھبرا کر اپنی فوجیں آگے کی طرف دھکیل دیں جس کے نتیجہ میں ان کے شمالی مورچے بالکل خالی ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی جس جرنیل کو انہوں نے بلجیئم کی سرحد پر بھیجا اس سے ایک خطرناک نادانی یہ ہوئی کہ اس نے دریا کے پُل نہ اڑائے۔ حالانکہ قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ جب فوج کے ڈیفنس کا پہلو اختیار کرنا ہو تو وہ دریاؤں کے پل فوراً اڑا دیتی ہے تا کہ دشمن ان پلوں کے ذریعہ سے ملک کی حدود میں داخل نہ ہو جائے مگر اس جرنیل نے پلوں کو نہ اڑایا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ چونکہ جرمنوں کی توپوں سے ان کی توپیں اور ان کے ٹینکوں سے ان کے ٹینک کم تھے۔ ابتدائی بمبارڈمنٹ کے بعد ہی اتحادیوں کی فوجوں کو پیچھے ہٹنا پڑا اور جرمن فوج بغیر کسی روک کے فلنڈرز (Flinders) میں گھس آئی۔ دوسری غلطی ان سے یہ ہوئی کہ انہوں نے فوج کے پیچھے دوسری ڈیفنس لائن نہیں بنائی تھی۔ حالانکہ جو فوج ڈیفنس کر رہی ہو اس کے لئے ایک دوسری ڈیفنس لائن ضروری ہوتی ہے تا اگر دشمن کسی جگہ سے پہلے مورچوں کو توڑ دے تو اسے آگے بڑھنے سے روکا جاسکے۔ مگر ان سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے ڈیفنس کی ایک ہی لائن پر اکتفا کی اور جب دشمن نے پہلی صفوں کو توڑ دیا تو اب مقابلہ کے لئے کوئی اور فوج اس کے سامنے نہیں تھی اور سارا فرانس اس کے سامنے کھلا پڑا تھا۔ غرض اس جنگ میں ایسے اتفاقات جمع ہو گئے کہ جن کے نتیجہ میں جرمنی کا رعب آپ ہی آپ قائم ہوتا چلا گیا اور لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ جہاں بھی ہاتھ مارتا ہے جیت جاتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ عام طور پر جنگی فنون سے ناواقفیت کی وجہ سے خیال کیا جاتا ہے کہ جرمنوں کی خبریں زیادہ صحیح ہوتی ہیں اور انگریزوں اور فرانسیسیوں کی خبریں غلط ہوتی ہیں۔ حالانکہ میرا تجربہ اس کے بالکل الٹ ہے میں جرمنی کی خبریں بھی سنتا ہوں اور انگریزوں اور فرانسیسیوں کی خبریں بھی سنتا ہوں۔ مگر مجھ پر یہی

اثر ہے کہ ان کی خبریں زیادہ صحیح ہوتی ہیں اور جرمن کی خبروں میں نسبتاً زیادہ جھوٹ ہوتا ہے اور میں تو سمجھتا ہوں اگر کوئی عقلمند انسان صرف ان خبروں کو لے لے جو جرمنی سے ریڈیو کے ذریعہ ہندوستان کے متعلق نشر کی جاتی ہیں تو وہ ان کو سن کر ہی سمجھ سکتا ہے کہ ان کی خبروں میں کس حد تک صداقت پائی جاتی ہے۔

چند مہینے کی بات ہے کہ جرمنی سے ریڈیو کے ذریعہ یہ خبر سنائی گئی کہ پنجاب میں سخت بغاوت پھوٹ پڑی ہے جگہ جگہ ڈاکے پڑ رہے ہیں اور انگریزوں کی یہ حالت ہے کہ وہ ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ رہے ہیں۔ حالانکہ ان دنوں چند وزیریوں نے سرحد افغانستان پر کوئی ڈاکہ ڈالا تھا جو ایک معمولی بات تھی مگر اسے پنجاب اور تمام صوبۂ سرحد پر پھیلا کر اس رنگ میں بیان کیا گیا کہ گویا پنجاب اور سرحد میں طوائف الملوکی کی حالت ہو گئی ہے۔ تو لوگ عام طور پر جرمنی کی خبروں کو زیادہ وقعت دے دیتے ہیں اور انگریزوں اور فرانسیسیوں کی خبروں کو اپنی نادانی سے غلط سمجھتے ہیں اور پھر ان خبروں کو بھی ایسے مبالغہ آمیز رنگ میں بیان کرتے ہیں کہ بات کچھ کی کچھ بن جاتی ہے اور یہ ہمارے ملک میں عام دستور ہے کہ لوگ بات کو بڑھا کر کہیں کا کہیں لے جاتے ہیں۔ مثلاً فرض کرو ایک شخص نے کسی بات پر غصہ میں آ کر دوسرے کو چپیڑ مار دی اب کوئی دوسرا شخص جو اس کے رشتہ دار کو خبر دینے جائے گا تو وہ یہ خبر نہیں دے گا کہ فلاں نے اسے چپیڑ ماری بلکہ وہ جاتے ہی کہے گا کہ اس نے مار مار کے اس کا بھرکس نکال دیا ہے اور اگر اتفاق سے وہ کوئی دور کا رشتہ دار ہوا اور بھائی یا کسی اور قریبی رشتہ دار کو یہ خبر اس نے پہنچائی ہے تو وہ وہاں جا کر یہ نہیں کہے گا کہ فلاں نے اسے مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا ہے بلکہ وہ کہے گا کہ وہ تمہارا رشتہ دار کوئی دم کا مہمان ہے اور اگر ابھی ماں یا باپ رہتے ہوں اور انہیں یہ خبر نہ پہنچی ہو تو یہ نیا خبر رساں انہیں جا کر یہ نہیں کہے گا کہ وہ مضروب کوئی دم کا مہمان ہے بلکہ یہ روتا ہوا جائے گا اور کہے گا کہ تمہارے لڑکے کو فلاں شخص نے مار دیا ہے۔ غرض یہاں معمولی خبر بڑھتے بڑھتے کچھ کی کچھ بن جاتی ہے۔ ذرا خبر بنی اور مبالغہ آمیزی کے ساتھ اسے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ یہاں تک کہ پتہ ہی نہیں چلتا اصل بات کیا ہوئی۔

میں نے تم کو کئی دفعہ اپنے سامنے کا ایک واقعہ سنایا ہے۔ ایک دفعہ جماعت سے

یہاں کے ہندوؤں کا بعض باتوں میں اختلاف ہو گیا اور بعض ہندوؤں نے فساد کی نیت سے اپنی چھابڑیاں اٹھا کر پھینک دیں اور یہ مشتہر کر دیا کہ احمدیوں نے انہیں لوٹ لیا ہے۔ اس پر افسر آئے اور انہوں نے تحقیقات کی جس پر یہ بات غلط ثابت ہوئی مگر ابھی یہ بدمزگی جاری تھی کہ ایک دن جبکہ میں اپنے کوٹھے پر بیٹھا ہوا تھا مجھے گلی میں سے شور کی آواز آئی جیسے زور سے لوگوں کے دوڑنے کی آواز آتی ہے۔ میں نے یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا ہؤا گلی کی طرف جھانکا تو میں نے دیکھا کہ دو تین نوجوان بھاگے جا رہے ہیں اور سب سے آگے مولوی رحمت علی صاحب ہیں جو اَب مبلغ سماٹرا اور جاوا ہیں اور آجکل قادیان آئے ہوئے ہیں۔ ان دنوں یہ طالب علم تھے۔ میں نے زور سے کہا کیا ہؤا؟ وہ کہنے لگے خبر آئی ہے کہ نیر صاحب کو ہندوؤں نے بازار میں قتل کر دیا ہے اور بعض اور احمدی زخمی تڑپ رہے ہیں۔ نیر صاحب ان دنوں غالباً بورڈنگ کے سپرنٹنڈنٹ تھے یا سکول میں مدرّس۔ میں بھی آخر قادیان کا ہی رہنے والا تھا اور میں یہاں کے ہندوؤں کو جانتا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ چاہے انہیں ہمارے خلاف کتنا ہی جوش کیوں نہ ہو اب تک وہ اس حد تک نہیں پہنچے کہ ہم میں سے کسی کو قتل کر دیں۔ چنانچہ میں نے انہیں کہا ٹھہرو یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے۔ وہ کہنے لگے نہیں ابھی خبر آئی ہے کہ نیر صاحب مارے گئے ہیں اور کئی احمدی زخمی تڑپ رہے ہیں۔ میں نے کہا میں اس کی تحقیقات کراؤں گا۔ تم اس طرف مت جاؤ۔ اتنے میں مَیں نے دیکھا قاضی عبد اللہ صاحب وہاں سے گزر رہے ہیں ۔ میں نے کہا قاضی صاحب آپ ذرا بازار میں تشریف لے جائیں اور مجھے رپورٹ کریں کہ وہاں کوئی فساد ہؤا ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس طرح انہیں اطمینان دلا کر میں کمرہ میں ٹہلنے لگ گیا کہ اتنے میں پھر مجھے زور سے قدموں کی آواز آئی اور میں نے دیکھا کہ مولوی رحمت علی صاحب اور دوسرے نوجوان پھر بے تحاشا بازار کی طرف دوڑ پڑے ہیں۔ میں نے کہا مولوی رحمت علی ٹھہرو۔ مگر انہوں نے میری آواز کو نہ سنا۔ میں نے انہیں پھر آواز دی اور کہا ٹھہرو مگر وہ پھر بھی نہ رکے یہاں تک کہ وہ اس موڑ تک پہنچ گئے جو مسجد اقصیٰ کی طرف لوٹتا ہے۔ میں نے اس وقت سمجھا کہ اب اگر ذرا بھی اور دیر ہوئی اور یہ موڑ سے دوسری طرف ہو گئے تو میری نگاہ سے اوجھل ہو جائیں گے اور پھر میرا ان پر کوئی اختیار نہیں رہے گا اور انہوں نے

جا کر یہ تحقیقات تو نہیں کرنی کہ کوئی فساد ہوا ہے یا نہیں بلکہ جوش کی حالت میں جو ہندو یا سکھ ان کے سامنے آیا اس کے سر میں انہوں نے سونٹا مار دینا ہے۔ چنانچہ ایسی حالت میں مَیں نے اسی ہتھیار سے کام لیا جو ہمارا روحانی ہتھیار ہے اور میں نے کہا مولوی رحمت علی اگر تم ایک قدم بھی آگے بڑھے تو میں تمہیں اپنی جماعت سے خارج کر دوں گا۔ ان کی اس وقت کی حالت آج تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ سر سے لے کر پیر تک ان کا تمام جسم کانپ رہا تھا اور نہ معلوم طالب علم ہونے کی وجہ سے ان کے دل میں اس وقت کیا کچھ خیالات اٹھے ہوں گے کہ یہ اچھا خلیفہ ہے احمدیوں کے مارے جانے پر ہمیں تو جوش آ رہا ہے اور اسے کچھ احساس ہی نہیں۔ مگر بہر حال وہ ٹھہر گئے اور انہوں نے لجاجت سے مجھے کہنا شروع کر دیا کہ حضور ابھی آدمی آیا ہے وہ کہتا ہے کہ نیر صاحب مارے گئے اور کئی احمدی زخمی تڑپ رہے ہیں۔ میں نے کہا اس کے تم ذمہ دار نہیں میں ذمہ دار ہوں۔ اتنے میں قاضی عبد اللہ صاحب بھی آ گئے اور انہوں نے بتایا نہ کوئی مارا گیا، نہ کوئی زخمی ہوا اور نہ کوئی تڑپ رہا ہے۔ سب لوگ آرام سے اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اگر خدا تعالیٰ مجھے اس دن وہاں نہ لے آتا تو یقیناً دو چار ہندوؤں یا سکھوں کا خون ہو جاتا کیونکہ جس طرح ایک صحابیؓ نے یہ کہا تھا کہ میں شراب کا مٹکا پہلے توڑوں گا اور یہ دریافت بعد میں کروں گا کہ ڈھنڈورہ دینے والے نے کیا کہا اسی طرح مولوی رحمت علی صاحب نے دو چار ہندوؤں یا سکھوں کو پہلے مارنا تھا اور نیر صاحب کی لاش اور زخمی احمدیوں کو بعد میں تلاش کرنا تھا۔ جس شخص نے لوگوں میں یہ خبر پھیلائی مجھے اس کا بھی علم ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے وہ ہمارا رشتہ دار تھا اور بعد میں احمدی بھی ہو گیا۔ میں نے اسے خود دیکھا کہ وہ سر نکال نکال کر احمدیوں سے کہہ رہا تھا کہ تم یہاں کھڑے ہو اور وہاں کئی احمدی مارے گئے ہیں۔ گویا غیر احمدی ہو کر اسے احمدیوں کے متعلق زیادہ جوش تھا۔

تو دنیا میں اس قسم کی کئی خبریں نکلتی رہتی ہیں جو بالکل بے پَر کی ہوتی ہیں۔ میرا اپنا قادیان کا تجربہ تمہارے سامنے ہے کہ پہلے یہ خبر آئی کہ نیر صاحب مارے گئے ہیں۔ پھر یہ خبر آئی کہ بہت سے اور احمدی بھی زخمی ہو چکے ہیں اور وہ زخموں کی شدت سے تڑپ رہے ہیں۔ مگر واقعہ یہ تھا کہ نہ کوئی مارا گیا اور نہ کوئی زخمی ہوا۔

اسی طرح یہاں ایک دفعہ ایک میلہ ہوًا ایک شخص جو نام کے لحاظ سے تو احمدی تھا مگر دراصل وہ منافق تھا۔ مغرب کی نماز کے وقت میرے پاس آیا اور کہنے لگا الگ ہو کر مجھ سے ایک بات سن لیجئے۔ میں نے کہا کیا ہوًا؟ وہ کہنے لگا ابھی ایک معتبر آدمی کے ذریعہ یہ خبر پہنچی ہے کہ بہشتی مقبرہ سے پرے پانچ سَو آدمی بندوقیں اور لاٹھیاں لئے کھڑے ہیں اور ان کا ارادہ ہے کہ قادیان پر حملہ کر دیں۔ وہ جیسا احمدی تھا اسے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ اس لئے میں نے کہا ٹھہرو میں تحقیقات کراتا ہوں۔ چنانچہ میں نے ایک آدمی کو بلایا اور کہا کہ فلاں جگہ جاؤ اور دیکھو کہ وہاں کوئی اجتماع ہے؟ وہ گیا اور آکر کہنے لگا کہ پانچ سَو چھوڑ وہاں پانچ آدمی بھی نہیں ہیں۔ حالانکہ خبر سنانے والے نے کہا تھا کہ ایک معتبر آدمی نے اسے یہ بات بتائی ہے مگر میں ذاتی طور پر جانتا تھا کہ مجھ تک بات پہنچانے والا منافق ہے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ جماعت فوری اشتعال کے نتیجہ میں کسی پر حملہ کر دے اور اس طرح فساد ہو جائے اس لئے اس کے دھوکے میں نہ آیا۔

تو اس قسم کی خبریں ہمیشہ نکلا کرتی ہیں اور لوگوں میں پھیل بھی جاتی ہیں جس سے نادان متأثر ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تم کوئی بری خبر سنو تو اسے فوری طور پر لوگوں میں پھیلانا شروع نہ کر دو بلکہ اولی الامر تک پہنچاؤ جو استنباط کرنے اور بات کو سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ عوام الناس تک بات پہنچانے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان کو برانگیختہ کر دیا جائے اور لوگوں میں فساد ڈلوایا جائے۔

جنگ کے متعلق بھی میں دیکھتا ہوں کہ عام طور پر خبریں آتی اور لوگوں میں پھیلتی رہتی ہیں اور طبعی طور پر بوجہ اس کے کہ انگریزوں سے ہندوستانیوں کو منافرت ہے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ انگریز بلاوجہ ان کے ملک پر حکومت کر رہے ہیں ان کے خلاف جو بات بھی ہو اُسے وحیٔ جبرائیل کی طرح ہر قسم کے جھوٹ، دھوکا اور فریب سے پاک سمجھتے ہیں بلکہ آجکل کے مسلمان تو قرآن کریم پر یہ اعتراض کر دیں گے کہ اس کی فلاں بات درست نہیں۔ مگر جرمن براڈکاسٹ میں اگر وہ کوئی خبر سن لیں تو اس کی صداقت میں انہیں کسی قسم کا شک نہیں رہتا۔ حالانکہ ان خبروں میں اول تو بہت کچھ جھوٹ سے کام لیا جاتا ہے پھر ان خبروں کا

ایک حصہ درست ہو کر بھی ایسا ہوتا ہے جسے ہندوستانی سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ ابھی چند دن ہوئے میرا ایک عزیز جو وقف کنندہ بھی ہے گھر پر آیا اور کہنے لگا کہ کَیلے بھی فتح ہو گیا۔ میں نے کہا کَیلے تو اب تک فتح نہیں ہؤا۔ کہنے لگا جرمن براڈکاسٹ میں خبر آگئی ہے کہ کَیلے کو جرمنوں نے فتح کر لیا ہے۔ میں نے کہا جرمن براڈکاسٹ میں بے شک یہ خبر آچکی ہے مگر ابھی تک برطانیہ اور فرانس نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ وہ کہنے لگا ان کا کیا ہے یہ تو اپنی شکست کا کبھی اعتراف ہی نہیں کرتے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کَیلے آج تک بھی فتح نہیں ہؤا۔ یہ محض اس کی جہالت تھی جسے اس نے دوسرے کی طرف منسوب کر دیا۔

اصل بات یہ ہے کہ جنگی اطلاعات دینے میں یہ قاعدہ ہؤا کرتا ہے کہ حملہ آور قوم جب کسی شہر کی حدود میں داخل ہو جاتی ہے تو وہ اعلان کر دیتی ہے کہ اس نے وہ شہر فتح کر لیا مگر دوسری قوم جو لڑ رہی ہوتی ہے وہ اپنی شکست کا اعتراف نہیں کرتی کیونکہ وہ ابھی لڑ رہی ہوتی ہے اور سمجھتی ہے کہ آج اگر دشمن اس شہر کی حدود میں داخل ہو گیا ہے تو ممکن ہے کل ہم اسے مار کر باہر نکال دیں۔ پس جنگی اطلاعات کے قواعد کے رو سے دونوں باتیں صحیح ہوتی ہیں۔ حملہ آور قوم جب کہتی ہے کہ اس نے فلاں شہر فتح کر لیا تو وہ بھی درست کہتی ہے کیونکہ جب کوئی قوم مضافات پر قابض ہو جاتی ہے تو اس کا اس شہر پر ایک حد تک قبضہ ہو چکا ہوتا ہے۔ مگر وہ قوم جو مقابلہ کر رہی ہوتی ہے اس کے نقطۂ نگاہ سے ابھی وہ شہر اس کے اپنے قبضہ میں ہے کیونکہ کئی دفعہ مضافات لے کر بھی حملہ آور پسپا ہو جاتا ہے۔ تو کَیلے کو جرمنی اب تک پوری طرح فتح نہیں کر سکا۔

اسی طرح ڈنکرک 2 (DUNKIRK) کے مضافات پر پہلے جرمنی نے قبضہ کیا حتّٰی کہ برطانیہ و فرانس نے بھی اس کو تسلیم کر لیا مگر پھر انہیں آگے بڑھنے کا موقع مل گیا اور ان کی فوجیں ڈنکرک پر قابض ہو گئیں اور اب وہ اس بندگارہ کے ذریعہ سے اپنی افواج واپس لا رہے ہیں۔ تو قاعدہ یہ ہے کہ حملہ آور قوم جب مضافات لے لیتی ہے تو وہ شہر کی فتح کا اعلان کر دیتی ہے مگر جو فوج اس شہر کی گلیوں میں لڑ رہی ہوتی ہے وہ کہتی ہے کہ ابھی یہ شہر کہاں فتح ہؤا۔ ممکن ہے کل ہی کوئی چانس مل جائے اور ہم پھر ان کے قبضہ کو توڑ دیں۔ اس لئے گو حملہ آور

قوم کسی شہر کی فتح کا اعلان کر دے جب تک دوسری قوم اس کے مقابلہ میں لڑ رہی ہو اس وقت تک وہ اس کی فتح کو تسلیم نہیں کرتی مگر ہندوستانی ان باتوں کو تو جانتا نہیں اور وہ آپ ہی آپ جس سے منافرت ہو اس کے خلاف خبر کو لے دوڑتا اور اسے لوگوں میں پھیلانا شروع کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس قسم کی خبروں کے پھیلنے کی وجہ سے آج ملک میں بغاوت کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے ''سِول'' میں پڑھا ہے کہ سکھوں نے اعلان کیا ہے کہ بارہ ڈویژن کی قومی فوج بھرتی کی جائے۔ مطلب یہ کہ سکھ ڈیڑھ لاکھ کی فوج تیار کرنا چاہتے ہیں اس کے مقابلہ میں مسلمانوں میں سے خاکسار بھرتی ہو رہے ہیں اور وہ اپنی ایک الگ فوج بنا رہے ہیں۔ گویا ہمارے ملک کے لوگوں کی وہی مثال ہو رہی ہے کہ ؎

آب نہ دیدہ موزہ از پا کشیدہ

پانی کے آثار ابھی نظر نہیں آئے اور جرابیں ابھی سے اتارنی شروع کر دی گئی ہیں۔ آپ ہی آپ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ برطانیہ و فرانس کو جرمنوں کے مقابلہ میں شکست ہو گئی ہے۔ انہوں نے کَیلے کو بھی فتح کر لیا، انہوں نے ڈنکرک کو بھی فتح کر لیا، انہوں نے فلنڈرز کو بھی جیت لیا، انہوں نے انگلستان کے دارالحکومت پر بھی قابو پا لیا، انہوں نے پیرس بھی لے لیا اور اب انگریز جرمنوں کے مقابلہ میں بھاگتے چلے جا رہے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی فرض کر لیا گیا کہ ہندوستان میں ان کی کوئی طاقت نہیں رہی اور حکومت بالکل بے دست و پا ہو گئی ہے۔ اس لئے آؤ اب ہم لُوٹ مار شروع کر دیں۔ اس قسم کے خیالات کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلا کرتا۔ اور ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ ان حالات کو درست کرنے کی کوشش کرے اور ملک میں امن قائم رکھنے کی خاطر اس قسم کی باتوں سے احتراز کرے۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ انگریز اِنْشَاءَاللّٰہ نہیں ہاریں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے لیکن اگر ہم سے ان باتوں کے سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہے تو بھی وہ وقت بہت دُور ہے بلکہ جنگ میں برطانیہ و فرانس کو اب پہلے سے بہت زیادہ مضبوط پوزیشن حاصل ہو چکی ہے۔ اس مہینہ کی چودہ تاریخ کو کس طرح سمجھا جاتا تھا کہ شاید ایک یا دو دن میں انگریز اور فرانسیسی ہتھیار ڈال دیں گے اور کس طرح عام طور پر یہ احساس تھا کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے لئے

اب ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ خود فرانسیسی وزیراعظم نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ فرانس کو اب معجزہ کے سوا کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خود فرانسیسیوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ فرانس اب کہاں بچ سکتا ہے۔ صفیں ٹوٹ گئیں ہیں اور فوجیں پسپا ہو رہی ہیں مگر جہاں برطانیہ و فرانس کی صفیں ٹوٹیں وہاں جرمن فوجیں جو اپنے مورچوں سے سینکڑوں میل آگے نکل چکی تھیں ان کو سامانِ رسد پہنچنا بھی کوئی آسان نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ اِدھر برطانیہ و فرانس کی فوجیں پسپا ہوئیں اور ادھر جرمنوں نے اپنے اندر کمزوری محسوس کی اور انہوں نے سمجھا کہ سامان کی کمی کی وجہ سے اگر ہم اس وقت آگے بڑھے تو مارے جائیں گے۔ چنانچہ اِدھر جرمن فوجیں ٹھہریں اور اُدھر برطانیہ و فرانس نے اس التواء سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً نئے مورچے بنانے شروع کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ چودہ پندرہ تاریخ کو انگریزوں اور فرانسیسیوں کی جو حالت تھی اس سے آج ۳۱ تاریخ کو انگریزوں اور فرانسیسیوں کی حالت بہت زیادہ بہتر ہے۔ اس دن خود انگریزوں اور فرانسیسیوں میں بے چینی پیدا ہو چکی تھی مگر آج وہ اطمینان کا سانس لے رہے ہیں اور اب پھر انہوں نے فتح کے نعرے لگانے شروع کر دیئے ہیں اور گو یہ پسندیدہ بات نہیں مگر قومی رواج کے ماتحت وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ انگریزی وزیرِ اشاعت نے تو ایک تقریر کرتے ہوئے کھلے طور پر کہہ دیا ہے کہ ہٹلر کے لئے پہلے صلح کی مجلس میں ہم نے ایک کرسی رکھی ہوئی تھی مگر اب اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ کرسی اٹھا دی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم میں سامانوں کے جمع ہو جانے اور بیداری و ہوشیاری کی وجہ سے اس بات کا احساس پیدا ہو چکا ہے کہ اب وہ شکست نہیں کھا سکتے۔ اس کے مقابلہ میں جرمنی کو بھی اس بات کا احساس ہوتا چلا جا رہا ہے کہ جتنی جلدی فتح کی امیدیں اس نے ابتداء میں لگائی تھیں وہ درست نہیں تھیں۔ چنانچہ آج سے پندرہ بیس دن پہلے جرمن براڈکاسٹ میں مَیں نے یہ خبر سنی کہ فرانسیسی فوج ہماری فوج کے مقابلہ میں بھاگ رہی ہے اور اب جلد ہی اس لڑائی کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ ایک جرمن وزیر نے تو کچھ عرصہ پہلے تقریر کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ شمالی فرانس کی پہاڑیوں پر جو لوگ اس دفعہ گرمیاں گزارنے کی خواہش رکھتے ہوں یا ان پہاڑوں کی سیر کا

انہیں شوق ہو انہیں چاہیئے کہ اپنے نام لکھا دیں مگر اب جرمنی کے براڈ کاسٹنگ میں یہ اعلان ہوتا ہے کہ ہماری قوم کو جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ یہ ایک بڑی بھاری لڑائی ہے جو لڑی جا رہی ہے۔ ہمیں بے شک کامیابی کی امید رکھنی چاہیئے لیکن بہت جلد کامیابی حاصل کر لینے کا خیال درست نہیں۔ حالانکہ آپ ہی تقریر کی تھی جو مَیں نے خود سنی کہ جو لوگ فرانسیسی الپس پر گرمیاں گزارنا چاہیں یا سیر کا شوق رکھتے ہوں وہ اپنے نام لکھا دیں۔ غرض اب جرمن بھی یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ یہ لڑائی اتنی جلدی ختم ہونے والی نہیں جتنی جلد ختم ہونے کی انہوں نے امید کی ہوئی تھی۔ بہر حال تمام گھبراہٹ اضطراب اور تشویش کا موجب ملک کے وہ نادان لوگ ہیں جن کو حالات کا صحیح علم نہیں ہوتا اور جو جنگی فنون سے ناواقفیت کی وجہ سے خبروں کو کچھ کا کچھ بنا کر لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میں بچپن میں بھی ایسے بیوقوفوں کے قابو کبھی نہیں آیا اور میں نے ہمیشہ ان کے خیالات کو ردّ کیا ہے۔ چنانچہ ہندوستانی سپاہیوں سے میں نے بارہا سنا وہ جب سرحد وغیرہ پر لڑنے کے لئے جاتے تو واپس آکر کہا کرتے کہ انگریز سپاہی تو وہاں صابن پی پی کر بیمار ہو جاتے ہیں مگر ہم دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں اور مجھے آج تک اپنا یہ جواب بھی خوب یاد ہے کہ اگر انگریز سپاہی ایسے بزدل اور کمزور ہیں تو یہ ہندوستان میں کس طرح آگئے اور اُس وقت تم نے ان کا کیوں مقابلہ نہ کیا؟ غرض یہ بہت ہی بُرا طریق ہے کہ بغیر سوچے سمجھے انگریزوں پر اعتراض کیا جائے اور ان کی کمزوری کی غلط خبریں لوگوں میں پھیلائی جائیں۔ انگریزی فوج جس دلیری سے اس جنگ میں لڑ رہی ہے اس کا اعتراف تو خود جرمنی کو بھی ہے۔ چنانچہ جرمن براڈ کاسٹنگ سے کہا گیا ہے کہ انگریزی فوج کے متعلق جو امید کی جاتی تھی اس سے بہت زیادہ شاندار طور پر وہ لڑ رہی ہے۔ یہ ایک ایسے دشمن کا اعتراف ہے جو خود بھی بہادر ہے اور جس کے اندر اگر جرأت نہیں تو تہوّر ضرور ہے۔

پس یہ نہایت ہی غلط طریق ہے کہ قیاسات سے کام لے کر ملک میں بدامنی پیدا کی جائے اور سِول وار کے سامان پیدا کئے جائیں۔ یہ انگریزوں سے نہیں ہندوستان سے دشمنی ہو گی۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں ان حالات کی اصلاح کی کوشش کی جائے وہاں ان

خرابیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے جو اس قسم کی غلط خبروں کی اشاعت سے پیدا ہو گئی ہیں۔ اگر بعض لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ انگریزی طاقت کمزور ہو چکی ہے اور اگر ملک میں اندر ہی اندر ملکی امن برباد کرنے کے لئے سازشیں ہو رہی ہیں تو وہ قوم سخت بے وقوف ہو گی جو اس کے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہو۔ ان کو ذہنی طور اس بات کے لئے تیار رہنا چاہیئے کہ اگر کسی وقت کوئی ایسا خطرہ رونما ہو تو وہ اس کا پورے زور سے مقابلہ کریں گے۔ پچھلی جنگ میں بھی ایسا ہؤا تھا۔ چنانچہ جھنگ کے ایک آدمی نے جب دیکھا کہ فرانس لڑائی میں مُردہ ہو رہا ہے اور انگریز جرمن کے مقابلہ میں پسپا ہو رہے ہیں تو اس نے اعلان کر دیا کہ میں اپنے علاقہ کا بادشاہ ہوں اور ضلع میں فساد پیدا کر دیا۔ اس جنگ میں بھی اس قسم کے واقعات پیدا ہو سکتے ہیں اور ایسے موقع پر ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ حکومت کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ایسے فسادیوں کا مقابلہ کرے۔ ہماری جماعت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ مومن بزدل نہیں ہوتا۔ مومن کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مومن دو کا مقابلہ کرتا ہے اور اگر کوئی زیادہ پختہ مومن ہو تو وہ اکیلا دس کا مقابلہ کر سکتا ہے اور اسلامی تاریخ تو بتاتی ہے کہ ایک مسلمان بعض بعض دفعہ دو دو سو کے مقابلہ میں بھی کھڑا ہؤا ہے۔ انگریزی حکومت بھی کہتی ہے کہ وہ ہر خطرہ کے موقع پر ہندوستان کی مدد کرے گی اور ہم حکومت کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ احمدیت کا مرکز ہندوستان میں ہے اور ہماری زیادہ تر جماعت یہیں پائی جاتی ہے میں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ اس ملک کو طوائف الملوکی میں مبتلا نہیں کرے گا۔ تاہم حالات کو چونکہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اس لئے اگر کسی وقت ہندوستان میں کوئی فساد ہو جائے تو ہماری جماعت کے دوستوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جو لوگ ان پر حملہ آور ہوں ان کے مقابلہ کے لئے وہ ان سے نصف آدمی کھڑے کریں اس سے زیادہ نہیں۔ ممکن ہے جیسے پچھلی جنگ کے موقع پر جھنگ کے ایک شخص نے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا اسی طرح اور ضلعوں میں بھی ایسے بادشاہ کھڑے ہو جائیں۔ ایسی صورت میں جن لوگوں پر حملہ کیا جائے اگر وہ احمدی ہوں تو میں انہیں نصیحت کروں گا کہ وہ کبھی بھی سَو کے مقابلہ میں اپنے میں سے ساٹھ آدمی نہ بھیجیں بلکہ سَو کے مقابلہ میں پچاس آدمی جائیں اور اگر سَو کے مقابلہ

میں دس آدمی کھڑے ہوں تو یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ جاہل اور منافق اور ایمان سے ناواقف انسان کہے گا کہ میں جماعت کو کیسی بے عقلی کی تعلیم دے رہا ہوں مگر قرآن کریم کی تعلیم یہی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے اندر علم النفس کے ماتحت اس قدر حکمتیں پوشیدہ ہیں کہ اگر کوئی قوم اس کے مطابق عمل کرے تو اس کی کایا پلٹ جائے اور وہ اتنی طاقت حاصل کر لے کہ جس کا مقابلہ کرنا لوگوں کے لئے بہت مشکل ہو۔ فوجی نقطۂ نگاہ سے بھی یہ بدترین پالیسی ہوتی ہے کہ تمام لوگ لڑنے لگ جائیں اور اس سے زیادہ حماقت کی اور کوئی بات نہیں ہوتی کہ توقع یہ رکھی جائے کہ کوئی آدمی بھی ایسا نہ رہے جو میدانِ جنگ سے باہر ہو۔ جیسے ہمارے ملک کے احمق نوجوان جب آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ادھر فرانسیسیوں نے جرمن حملہ کو روکا ہؤا ہے ادھر جنرل دیگان چُپ کر کے بیٹھا ہؤا ہے۔ وہ کیوں جرمنوں پر جوابی حملہ نہیں کر دیتا؟ حالانکہ یہ کمال حماقت کی بات ہے اور محض جنگی فنون کی ناواقفیت کی وجہ سے اس قسم کے اعتراضات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس وقفہ کو خدا تعالیٰ کی نعمت سمجھ رہے ہیں کیونکہ صاف بات ہے جب فرانسیسی اور انگریزی فوجیں اپنے مورچوں سے ہٹ گئیں اور جرمن فوجوں کے مقابلہ میں انہوں نے پسپا ہونا شروع کر دیا تو پسپا شدہ فوج کبھی ایک جگہ ٹک نہیں سکتی۔ اس کے لئے خدا تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہی ہوتی ہے کہ چند دن کی اسے مہلت مل جائے تا کہ وہ اپنے مورچوں کو اس دوران میں مضبوط کر لے۔ چنانچہ جرمنی نے جب شمالی فرانس پر حملہ کر دیا اور چاہا کہ وہ انگلش چینل تک پہنچ جائے تو اتحادیوں نے اپنی فوج کا ایک حصہ اس کے مقابلہ کے لئے رہنے دیا اور باقی فوج کو اپنے مورچے مضبوط کرنے کے لئے پیچھے ہٹا لیا اور یہ بات تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو فتح ہوتی ہے اور کس کو شکست مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ معقول بات ہے کہ بجائے اس کے کہ ساری فوج شمالی حصہ کی جنگ میں شامل ہوتی انہوں نے شمالی فوج کو جنگ کا زور برداشت کرنے کے لئے چھوڑ دیا اور جنوبی فوجوں کو نئے مورچوں کی مضبوطی کے کام پر لگا دیا تا کہ جب شمال سے فارغ ہو کر دشمن جنوب پر حملہ کرے تو وہ اپنے سامنے ایک سدّ سکندری کھڑی پائے مگر نادانی کی وجہ سے ہمارے نوجوان بعض دفعہ اس بات پر بھی اعتراض کر دیتے ہیں۔ گویا وہ جرنیلوں سے بھی زیادہ

سمجھدار واقع ہوئے ہیں۔ حالانکہ اگر انہیں فوج میں لگایا جائے تو وہ سپاہی کا کام بھی نہ کر سکیں۔ غرض جنوبی فوجوں کو بالمقابل حملہ سے باز رکھنے کی حکمت جیسا کہ میں بتا چکا ہوں یہی ہے کہ اتحادی اپنے مورچوں کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر وہ تمام فوج کو اس لڑائی میں دھکیل دیتے تو انہیں جنوب میں نئے مورچے بنانے اور مضبوط کرنے کی فرصت نہیں مل سکتی تھی اور چونکہ جرمن پہلے حملہ میں کامیاب ہو چکا تھا اتحادیوں کی فوج کو کسی جگہ ٹِک کر لڑنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ پس انہوں نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے فوج کے ایک بڑے حصہ کو تو جنوب میں جمع کرنے اور مضبوط مورچوں میں بٹھانے کو جھوٹی بڑائی پر مقدم سمجھا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ گو بظاہر فرانسیسی کمان پر یہ اعتراض ہے کہ اس نے شمالی فوج کو اس کے حال پر چھوڑ کر جرمن فوج کے لئے زیادہ خطرہ پیدا کر دیا کیونکہ بوجہ بالکل گھر جانے کے اس فوج نے جرمن فوج کا نہایت سختی سے مقابلہ کیا اور ان کا بہت نقصان کر دیا۔ ایسا حملہ وہی سپاہی کر سکتے ہیں جو موت کو اپنے سامنے کھڑا دیکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ فرانسیسی کمان نے جنوبی فوج کے لئے سانس لینے کا وقت نکال لیا اور انہیں مورچے مضبوط کرنے کا موقع دے دیا۔ شمالی فوج کو جس بے بسی میں چھوڑا گیا اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اس فوج کا ہر سپاہی جرمن حملوں کا مقابلہ کر رہا ہے کیونکہ ایک جرمن کے سامنے صرف فتح کا خیال ہے مگر ایک اتحادی کے سامنے صرف فتح کا ہی سوال نہیں بلکہ اپنی جان کا بھی سوال ہے، بلکہ اس کی عزت، اس کی قوم اور اس کے ملک کے خطرات بھی اس کے سامنے ہیں مگر اس کے علاوہ ہر سپاہی سمجھتا ہے کہ اگر ایک دفعہ بھی اس کی آنکھ جھپک گئی تو وہ زندہ نہیں رہے گا۔ اس وجہ سے ایک ایک اتحادی چار چار پانچ پانچ جرمن سپاہیوں کا مقابلہ کر رہا ہے اور جنوبی فوجوں پر جرمن حملے کا جو زور تھا وہ رک گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی فرانسیسی اور انگریز نئے مورچے بنا رہے ہیں اور انہیں مضبوط سے مضبوط تر بناتے جا رہے ہیں۔

غرض ان باتوں میں دخل دینا جن سے انسان کلیۃً ناواقف ہو سخت احمقانہ فعل ہؤا کرتا ہے۔ یوں تو جنگی فنون کے لحاظ سے میں بھی ویسا ہی ناواقف ہوں جیسے تم مگر خدا تعالیٰ نے مجھے ان علوم کو سمجھنے کا ملکہ دیا ہے اور گو میں سپاہی نہیں مگر سپاہیوں کے فوجی علم کے مطالعہ کا

ہمیشہ شوق رکھتا ہوں اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ ہمارا فوجی خاندان ہے مجھے ان باتوں سے دلچسپی ہے کیونکہ فوجی خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے وہ روح میرے اندر پائی جاتی ہے جو فوجیوں کے اندر رہؤا کرتی ہے۔

پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ بُری خبروں کو لے کر دوڑنا، انہیں لوگوں میں پھیلانا اور اُن پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرنا بہت بڑے گناہ کی بات ہے اور انہی باتوں کے نتیجہ میں ملک کا امن برباد ہؤا کرتا ہے۔ اگر کسی وقت ملک میں فساد ہو گیا اور لوگوں نے جتھے بنابنا کر ایک دوسرے پر حملہ کرنا اور دوسروں کو لوٹنا شروع کر دیا تو اس کے ذمہ دار وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے لوگوں میں اس قسم کی بری خبریں پھیلائیں۔ اور اگر کسی جگہ ایک احمدی بھی ان فسادات کے نتیجہ میں مارا گیا تو اس کا تمام گناہ ان گندی فطرت کے احمدیوں پر عائد ہو گا جو اس قسم کی خبروں پر خوشی مناتے اور لوگوں کو ہنس ہنس کر سناتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے حضور سخت گنہگار اور مجرم ہوں گے اور وہ غیر احمدیوں سے زیادہ قصوروار ہوں گے کیونکہ ان خبیث الفطرت لوگوں کو سمجھایا بھی گیا مگر وہ پھر بھی نہ سمجھے۔ ان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور دعاؤں میں لگے رہیں۔ ایسے اوقات میں ہنسی اور مذاق اور مخول اور عدم سنجیدگی سے کام لینا سخت کمینگی کی بات ہوتی ہے۔ اس وقت دنیا کی عزت کا سوال ہے۔ اس وقت دنیا کے امن چین راحت اور زندگی کا سوال ہے۔ پس کیسا ہی بے شرم اور بے حیا وہ شخص ہے جو گھر میں بیٹھ کر خبریں سنتا اور کبھی اس پر تمسخر اڑا دیتا ہے اور کبھی اس پر اور یہ نہیں دیکھتا کہ اس وقت پندرہ بیس لاکھ آدمی چاہے وہ جرمنی کے ہوں کہ آخر وہ بھی انسان ہیں، چاہے وہ برطانیہ کے ہوں کہ وہ بھی انسان ہیں، چاہے وہ فرانس کے ہیں کہ وہ بھی انسان ہیں، چاہے وہ پولش ہوں کہ وہ بھی انسان ہیں اور چاہے وہ کسی اور قوم سے تعلق رکھتے ہوں کہ وہ بھی انسان ہیں۔ بہر حال پندرہ بیس لاکھ انسان رات اور دن بغیر دم لئے لڑ رہے اور ٹینکوں اور موٹر گاڑیوں کے نیچے کٹتے چلے جارہے ہیں۔ تمہاری مائیں اور بہنیں اگر تم دس میل کے سفر پر بھی جاتے ہو تو آنسوؤں سے تمہیں رخصت کرتی ہیں مگر تمہیں کبھی خیال نہیں آتا کہ لاکھوں گھر اس وقت ایسے ہیں جن میں مائیں اور بہنیں اور بیٹیاں اور بیویاں اس انتظار میں بیٹھی رہتی ہیں کہ کب تار

آتا ہے جس میں یہ لکھا ہو گا کہ آج تمہارا بیٹا مارا گیا، آج تمہارا خاوند مارا گیا، آج تمہارا باپ یا تمہارا بھائی مارا گیا۔ کیا یہ واقعات ہنسی مذاق کی اجازت دے سکتے ہیں؟ اور کیا یہ خبریں ہنسی اور مذاق سے سننے کے قابل ہیں؟ یا کیا ان خبروں کو سننے کے بعد تمہارے لئے جائز ہو سکتا ہے کہ تم گپیں ہانکنے لگ جاؤ اور کہو کہ فلاں نے یہ کیا اور فلاں نے وہ جس شخص کے دل میں ایک ذرّہ بھر بھی ایمان ہو، جس شخص کے دل میں ایک ذرّہ بھر بھی شرافت ہو، جس شخص کے دل میں ایک ذرّہ بھر بھی انسانیت کا جذبہ ہو وہ کبھی ان باتوں کو ہنسی مذاق میں نہیں اڑا سکتا۔ ہاں اگر کوئی کمینہ فطرت اور خبیث الطبع انسان ہو تو اس کا ایسے موقع پر بھی دل نہیں کانپتا۔ آخر جیسے تمہاری ماؤں اور بہنوں اور بیٹیوں کے دل ہیں ویسے ہی اُن کی ماؤں اور بہنوں اور بیٹیوں کے دل ہیں اور ایک ایک قدم پر ان کے بیٹے، اُن کے بھائی اور ان کے باپ اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں حتّٰی کہ ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا جس سیکنڈ میں پندرہ بیس آدمی وہاں نہیں مرتے۔ جتنی دیر مجھے اس وقت خطبہ پڑھتے ہوئی ہے اتنی دیر میں وہاں ہر ایک سپاہی پچاس ساٹھ آدمیوں کو اپنے سامنے مرتے ہوئے دیکھ لیتا ہے کچھ اپنی فوج میں سے اور کچھ دشمنوں کی فوج میں سے اور پھر موت بھی کیسی کہ جس پر کوئی آنسو بہانے والا نہیں۔ بھائی کے سامنے بھائی مرتا ہے مگر اسے اتنی اجازت نہیں ہوتی کہ وہ اس کی لاش کو اٹھائے بلکہ ادھر مرنے والے مرتے ہیں اور ادھر فوج کو حکم ملتا ہے کہ ایک قدم پیچھے ہٹو۔ پھر اَور آدمی مرتے ہیں تو پھر حکم ملتا ہے کہ ایک قدم اور پیچھے ہٹو۔ اسی طرح وہ لاشوں کے انبار کو چھوڑتے ہوئے پیچھے کو ہٹتے چلے جاتے ہیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے دشمن کے ٹینک آتے ہیں اور وہ ان مُردوں کی ہڈیوں کو مسل دیتے ہیں، ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے عزیزوں کا بھیجا نکل رہا ہوتا ہے، پیٹ پھٹ رہا ہوتا ہے، ہڈیاں ٹوٹ رہی ہوتی ہیں اور وہ بے گور و کفن وہاں پڑے ہوتے ہیں۔ مگر ان میں کسی کو اجازت نہیں ہوتی کہ ایک آنسو بھی بہائے یا ایک قدم بھی رک جائے۔ کیا یہ باتیں اس قسم کی ہیں کہ انسان ان کا ذکر سن کر ہنسی مذاق میں مشغول ہو جائے یا اس قسم کی ہیں کہ انسان کا دل ان کا ذکر سن کر خدا تعالیٰ کی خشیت اور اس کے خوف سے بھر جائے؟ اگر ایسے موقع پر بھی کسی انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کا خوف پیدا نہیں ہوتا اور اگر ایسے موقع پر بھی

کوئی شخص ہنسی مذاق سے باز نہیں آتا تو وہ ہرگز انسان کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ وہ مجسم شیطان ہے جو دنیا میں چل پھر رہا ہے۔

دوسری بات جس کی طرف مَیں تمہیں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہی مسجد ہے جس میں خدا تعالیٰ نے تمہیں ایک بہت بڑا نشان دکھایا۔ آج سے پانچ دن پہلے اتوار کے روز اسی مسجد میں کھڑے ہو کر میں نے تمہیں اپنا یہ الہام سنایا تھا کہ ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب ایک بادشاہ میری آنکھوں کے سامنے سے گزارا گیا اور پھر مجھے الہام ہوا کہ ایبڈی کیٹڈ (Abdicated) اور میں نے بتایا تھا کہ اس کی تعبیر میرے ذہن میں یہ آتی ہے کہ کوئی بادشاہ اس جنگ میں معزول کیا جائے گا یا کسی معزول بادشاہ کے ذریعہ سے کوئی تغیر واقع ہو گا۔ چنانچہ اس الہام پر ابھی تین دن ہی گزرے تھے کہ خدا تعالیٰ نے بیلجیئم کے بادشاہ لیوپولڈ کو ناگہانی طور پر معزول کروا دیا۔ انگلستان کا امیر البحر کہتا ہے کہ میں رات کو اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ صبح ہوتے ہیں اس نے یہ فیصلہ کر دینا ہے۔ ایبڈی کیٹڈ کے لغت میں یہ معنے لکھے ہیں کہ کوئی ایسا شخص جو اپنے اختیارات کو چھوڑ دے۔ By Announcement (کسی اعلان کے ذریعہ سے) or default (یا عملاً اپنے فرائض منصبی کو ادا نہ کرسکنے کے ذریعہ سے) گویا یا تو وہ خود کہہ دے کہ میں بادشاہ نہیں رہا یا ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ وہ بادشاہت کے فرائض ادا نہ کر سکے۔ بعینہٖ یہی الفاظ بیلجیئم گورنمنٹ نے استعمال کئے ہیں اور اس نے کہا ہے کہ ہمارا بادشاہ جرمن قوم کے ہاتھ میں ہے اور وہ اب اپنے فرائض کو ادا نہیں کر سکتا۔ پس اب بیلجیئم کی قانونی گورنمنٹ ہم ہیں نہ کہ لیوپولڈ۔ پس بیلجیئم کے لوگوں کو جہاں کہیں ہوں لیوپولڈ کی بات نہیں ماننی چاہیئے بلکہ ہماری بات ماننی چاہیئے۔ تم غور کرو یہ کتنا عظیم الشان نشان ہے جو خدا تعالیٰ نے تمہیں دکھایا۔ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ خبر دی اور منگل کی رات کو بغیر اس کے کہ کسی اور کو خبر ہو بیلجیئم کے بادشاہ نے اپنے آپ کو جرمنوں کے سپرد کر دیا۔ کیا کوئی انسان ہے جو اس قسم کا غیب معلوم کر سکتا ہے؟ وہ لوگ جو اُس کے پہلو بہ پہلو رہے وہ جرنیل جو اُس کے دائیں بائیں رہے اور وہ وزراء جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے تھے وہ کہتے ہیں

کہ آخری وقت تک ہمیں اس بات کا علم نہیں ہؤا کہ لیوپولڈ نے یہ فیصلہ کیا ہؤا ہے۔ ممکن ہے اگر بعد میں زیادہ تحقیقات کی جائے تو لیوپولڈ کے اس فیصلہ کی وہی تاریخ ثابت ہو جس تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس واقعہ کی اطلاع دی۔ گویا ہفتہ اور اتوار کی رات کو ادھر بیلجیئم کے بادشاہ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنے آپ کو جرمن قوم کے حوالے کر دے اور ادھر جبکہ اس فیصلہ سے اس کے وزراء تک ناواقف تھے اللہ تعالیٰ نے ہزاروں میل کے فاصلہ پر کراچی میل میں آتے آتے مجھ پر اس راز کا انکشاف کر دیا اور بتا دیا کہ لو ہم تمہیں خبر دیتے ہیں کہ جنگ سے تعلق رکھنے والا ایک بادشاہ معزول کیا گیا ہے۔ کتنی زبردست طاقتوں کا مالک ہمارا خدا ہے اور کس قدر وہ علیم اور خبیر ہے کہ جس بات سے قومیں ناواقف ہیں، جس بات سے حکومت کے وزراء ناواقف ہیں، جس بات سے ایک بادشاہ کے پہلو بہ پہلو رہنے والے بے خبر ہیں اس کے متعلق خدا تعالیٰ قبل از وقت مجھے اطلاع دے دیتا ہے اور تین دن کے اندر اندر وہ بات پوری ہو جاتی ہے۔

یہ خدا تعالیٰ کے علم غیب کا ایک زبردست ثبوت ہے اور ہمیشہ ہی خدا تعالیٰ ہمیں علمِ غیب کی خبریں دیتا رہتا ہے جو احمدیت کی صداقت کا ایک بہت بڑا ثبوت ہیں مگر پھر بھی بہت سے نادان احمدی دنیا کی طرف اپنی نگاہیں رکھتے ہیں اور پھر خدا تعالیٰ کی طرف ان کی نگاہ کبھی نہیں اٹھتی۔ وہ نام کے لحاظ سے تو بے شک ہمارے ساتھ شامل ہیں مگر حقیقتاً ہم میں شامل نہیں کیونکہ ان کا خدا پر ایمان نہیں۔

جب گزشتہ جنگ ہوئی اور بیلجیئم پر حملہ ہؤا تو مجھے یاد ہے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بعض غیب کی خبروں کا انکشاف کیا تھا۔ مثلاً میں نے دیکھا کہ ایک طرف انگریز اور فرانسیسی ہیں اور دوسری طرف جرمن۔ اور دونوں میں فٹ بال کا میچ ہو رہا ہے۔ جرمن فٹبال کو لاتے لاتے گول کے قریب پہنچ گئے مگر گول ہو نہیں سکا۔ اتنے میں پھر اتحادی ٹیم نے طاقت پکڑ لی اور انہوں نے فٹ بال کو دوسری طرف دھکیل دیا۔ جرمن یہ دیکھ کر واپس دوڑے اور انگریز بھی فٹ بال کو لے کر دوڑنے لگے مگر جب وہ گول کے قریب پہنچ گئے تو وہاں انہوں نے کچھ گول گول سی چیزیں بنا لیں جس کے اندر وہ بیٹھ گئے اور باہر یہ بیٹھ گئے۔

بعینہٖ اسی طرح جرمن لشکر نے جب حملہ کیا تو وہ پیرس تک پہنچ گیا مگر پھر اسے واپس لوٹنا پڑا اور جب سرحد پر واپس لوٹ آیا تو وہاں اس نے ٹرنچز (Trenches) بنالیں اور اس کے اندر بیٹھ گئے اور اس طرح چار پانچ سال تک وہاں لڑائی ہوتی رہی۔

تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جب چاہتا ہے غیب کی خبریں دیتا ہے۔ اس جنگ کے متعلق تو اتنی کثرت سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر امورِ غیبیہ کا اظہار کیا ہے کہ پچھلی جنگ میں اس کا عُشرِ عشیر بھی نہیں تھا۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ واقعات ویسا ہی رنگ اختیار کر رہے ہیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس الہام کو کسی اور رنگ میں بھی پورا کر دے کیونکہ بعض دفعہ الہام کئی کئی رنگوں میں پورا ہو جاتا ہے۔ مگر بہر حال اس وقت تک جو واقعات ظاہر ہوئے ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایبڈی کیٹڈ سے مراد بیلجیئم کے بادشاہ کا عملاً معزول کیا جانا تھا جو بعد میں ممکن ہے اعلان کے ذریعہ سے بھی معزول کر دیا جائے۔ ابتداء میں جب مجھے یہ الہام ہؤا تو میں حیران ہؤا کہ نہ معلوم اس سے کون سا بادشاہ مراد ہے۔ پہلے خیال آیا کہ کہیں اس سے ہمارے بادشاہ ہی مراد نہ ہوں۔ پھر خیال آیا کہ ممکن ہے سابق کنگ ایڈورڈ ہشتم مراد ہوں۔ ایک اور بادشاہ کی طرف بھی بعض دوستوں کا ذہن منتقل ہؤا مگر واقعات نے ظاہر کر دیا کہ یہ الہام بیلجیئم کے بادشاہ کے متعلق تھا۔ چنانچہ اس نے جرمن فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور اس کی قوم نے یہ اعلان کر دیا کہ یہ اس کا ایک ذاتی فعل ہے جس کے ہم ذمہ دار نہیں وہ عملی طور پر اب بادشاہت سے الگ ہے اور اس کے حکم کو ماننا ہم پر واجب نہیں۔

تو مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف نگاہ رکھنی چاہیئے اور بجائے اس کے کہ انسان یہ معلوم کرنے کا شائق رہے کہ جرمن براڈکاسٹ کیا کہتا ہے۔ اسے خدا تعالیٰ کا ریڈیو سننے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ 1914ء میں اسی مسجد میں مَیں نے الہام کی تھیوری بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا الہام ہر وقت نازل ہوتا رہتا ہے اور انسانی دماغ میں ایسی کلیں موجود ہیں کہ جن سے اگر کام لیا جائے تو انسان اللہ تعالیٰ کی آواز کو سن سکتا ہے۔ اس وقت ریڈیو کا نام و نشان بھی نہ تھا اور میں نے سادہ زبان میں مفہوم بیان کر دیا تھا کہ انسان کے دماغ میں ایسی کل موجود ہے کہ جسے اگر اللہ تعالیٰ کی طرف پھرایا جائے تو اللہ تعالیٰ کے الہام کو وہ سن سکتا ہے۔ پس انسان کیوں نہ

اپنے دماغ کو ایسا صاف رکھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی خبروں کو سن سکے۔ انسانی خبروں میں تو جھوٹ سچ ملا ہؤا ہوتا ہے پھر بندے آج کچھ کہتے ہیں اور کل کچھ مگر خدا تعالیٰ کے کلام کے ساتھ ایک طاقت اور قوت ہوتی ہے اور جو بات اس کی طرف سے ظاہر ہو وہ کبھی بدل نہیں سکتی۔

پس مَیں جماعت کے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ براہ راست خدا تعالیٰ سے علم حاصل کرنے کی کوشش کیا کریں اور اس مقصد کے لئے قرآن کریم، حدیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کو پڑھا کریں۔ میرے نزدیک تو وہ نہایت ہی بے شرم انسان ہے جو ازالۂ اوہام میں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ تحریر پڑھتا ہے کہ:۔

"ہر یک سعادت مند مسلمان کو دعا کرنی چاہیئے کہ اس وقت انگریزوں کی فتح ہو کیونکہ یہ لوگ ہمارے محسن ہیں اور سلطنت برطانیہ کے ہمارے سر پر بہت احسان ہیں۔ سخت جاہل اور سخت نادان اور سخت نالائق وہ مسلمان ہے جو اس گورنمنٹ سے کینہ رکھے۔ اگر ہم ان کا شکر نہ کریں تو پھر ہم خدا تعالیٰ کے بھی ناشکر گزار ہیں۔" 3

اور پھر اس تحریر کو پڑھنے کے بعد وہ باہر نکلتا ہے اور خبریں سن کر کہتا ہے کہ آہاہا انگریزوں کو فلاں مقام پر شکست ہوئی۔ اس سے زیادہ بے ایمان اور کون شخص ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا مسیح تو کہتا ہے کہ ہر ایک مسلمان کو انگریزوں کی کامیابی کے لئے دعا کرنی چاہیئے اور یہ کہتا ہے کہ دعا کی کیا ضرورت ہے؟ انگریزوں کو شکست ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ میں تو ایسے احمدی کو لعنتی سمجھتا ہوں اور میں تو یقین رکھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا بہر حال قبول ہو گی اور اگر اللہ تعالیٰ کا منشاء کسی اور بڑی حکمت کے ماتحت اس دعا کو قبول کرنے کا نہ بھی ہؤا تو بھی اس شخص پر ضرور لعنت پڑ جائے گی کیونکہ اس نے اپنے آپ کو اس صف میں کھڑا کیا جو خدا تعالیٰ کے مسیح کے دشمنوں کی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر ہمارا ذرہ ذرہ اسی رنگ میں رنگین نہیں ہو جاتا جس رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیں رنگین کرنا چاہتے تھے تو پھر ایمان کس چیز کا نام ہے اور اگر ہم ایسے امور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اختلاف رکھنا جائز قرار دیں تو یہ ایسی ہی بات ہو گی جیسے کہتے ہیں

کہ کسی پٹھان کے سامنے کسی نے سینہ پر ہاتھ باندھنے یا آمین بالجہر کہنے کا مسئلہ بیان کیا تو وہ کہنے لگا میں ان باتوں کو نہیں مانتا۔ اس پر اس نے کہا کہ تم تو سید عبد القادر جیلانی کو مانتے ہو اور یہ عقیدہ ان کا بھی تھا۔ وہ کہنے لگا ہمارے پیر کا مذہب اَور ہمارا مذہب اَور۔ تو ایک مسائل کا اختلاف ہوتا ہے اور ایک مقصود اور مدعا میں اختلاف ہوتا ہے۔ مسائل میں بعض جگہ جبکہ شریعت اجازت دیتی ہو ایک حد تک پیر سے اختلاف جائز ہوتا ہے مگر مقصود اور مدعا میں اختلاف جائز نہیں ہوتا۔

بعض نادان کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نواب محمد علی خان صاحب کو اجازت دی تھی کہ وہ اس عقیدہ کو تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ حضرت علیؓ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے افضل تھے آپ کی بیعت کر سکتے ہیں اور اس سے استنباط کرتے ہیں کہ عقائد میں اختلاف ہو سکتا ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ یہ عقیدہ ایسا نہیں تھا جس کا موجودہ زمانہ سے کوئی تعلق ہو۔ حضرت علیؓ بھی فوت ہو چکے ہیں حضرت ابو بکرؓ بھی فوت ہو چکے ہیں اور حضرت عمرؓ بھی فوت ہو چکے ہیں اور حضرت عثمانؓ بھی فوت ہو چکے ہیں اور اب اس بحث کا کوئی فائدہ ہی نہیں کہ کون افضل ہے اور کون نہیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ عقیدہ رکھنے کے باوجود نواب صاحب کو بیعت کی اجازت دے دی مگر مقصود اور مدعا میں اختلاف کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل مقصد اسلام کی فتح تھی اب اگر کوئی کہے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مرید تو ہوں مگر میرا مقصد اسلام کی فتح نہیں بلکہ عیسائیت کی فتح ہے تو اسے ہم اُلو ہی سمجھیں گے۔ تو مقصود میں اختلاف کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہوتا۔ مسائل کا اختلاف بالکل اور چیز ہے اور اس کے متعلق بھی حد بندیاں ہیں کہ کس وقت وہ اختلاف جائز ہوتا ہے اور کس حد تک جائز ہوتا ہے مگر اب وقت نہیں کہ میں ان حد بندیوں کو بیان کر سکوں۔ پس مسائل میں اختلاف اور بات ہے اور مقصود اور مدعا میں اختلاف بالکل اور بات ہے۔ اور اگر کوئی شخص مقصود اور مدعا میں اختلاف رکھتا ہو تو وہ ہرگز مرید کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ پس ہماری جماعت کے دوستوں کو یہ امر اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ

حکومت برطانیہ کے متعلق اگر وہ غیر ذمہ دارانہ رنگ میں باتیں کرتے رہیں گے تو وہ دین کو نقصان پہنچانے والے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کی صف میں کھڑے ہونے والے سمجھے جائیں گے۔ اگر انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہو تو ان کی مرضی ہمیں تو یہ بات اچھی معلوم نہیں ہوتی۔" (الفضل 5 جون 1940ء)

---

1 مسلم کتاب البر و الصلة و الآداب باب النهی عن قول هلك الناس

2 ڈنکرک:(DUNKIRK) ڈنکرک کی جنگ، جنگ عظیم دوم کے دوران جرمنی اور اتحادیوں کے مابین لڑی گئی۔

3 ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 373